Courtesy www.pdfbooksfree.pk


کے ایک کنارے پر عالمگیر بھی ایک کُرسی بچھا کر اُن میں شامل ہو گیا۔ دیوار کے عقب سے دیگوں میں کفگیروں اَور چمچوں کے کھڑکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ نوکروں کی ایک قطار کی قطار کھانے کی پلیٹیں لا لا کر دریوں پہ بیٹھے ہُوئے مہمانوں کو پکڑا رہے تھے، جو چاولوں کی پلیٹوں میں اُنگلیوں سے ٹٹول ٹٹول کر گوشت کی بوٹیاں اُٹھانے اور اُنہیں تیزی کے ساتھ دانتوں سے کاٹ کر کھانے میں جٹے ہُوئے تھے۔ بچے اَپنی اپنی پلیٹیں اُٹھائے درمیان میں اِدھر اُدھر چل پھر رہے تھے۔ مہمانوں کی اِشتہاء زوروں پہ تھی۔ پنڈال کی خاموشی میں صرف جبڑوں کی چپ چپ، چینی کی پلیٹوں اَور لوہے کی تھالیوں کی کھنکار اَور اِکا دُکا باتوں کی آوازیں تھیں۔

نمکین کھانے کے بعد مٹی کی ٹھوٹھیوں میں جمی ہُوئی کیوڑے والی فیرنی پیش کی گئی۔ کھانا ختم ہوا تو ملک جہانگیر کی میز کے آگے نوکر چلمچی، لوٹا اَور تولیہ لے کر آ گئے، اَور اُنہوں نے چاروں پانچوں کے ہاتھ دھلائے۔ کچھ مہمان اُٹھ کر نلکے پر ہاتھ دھونے اَور کلی کرنے کے لئے گئے، باقیوں نے جگہ پر بیٹھے بیٹھے اپنی چادروں کے پلوؤں سے مُنہ اَور ہاتھ پونچھ لئے۔

"واہ بھئی واہ کھانے کا لطف آ گیا بھائی جہانگیر،" اعجاز نے ڈکار بھر کر کہا۔

"ہمیں کیا لطف آئے گا اعجاز، ہم اَور تم تو دِن بھر چرتے ہی رہتے ہیں۔ یہ سرفراز سے پُوچھ جس نے دو سال تک لالوں کی دال کھائی ہے۔ کیوں سرفراز؟"

"شکر ہے آپ کے کھانے میں دال نہیں تھی،" سرفراز ہنس کر بولا۔ "آپ کو پتا ہے بھائی جان، اُدھر جانے سے پہلے میرا من پسند کھانا گوشت میں پکی ہُوئی چنے کی دال ہوا کرتی تھی۔ لالہ اِس کی گواہی دے گا۔"

"بالکل،" اعجاز نے کہا۔ "ضد کر کے پکوایا کرتا تھا۔ مرغی کی ہانڈی بھی چڑھاؤ تو کہتا تھا اِس میں چنے کی دال ڈال کر پکاؤ۔ اِس کی بھرجائی اَپنا سر پیٹ لیا کرتی تھی۔"

"اب دال کو دیکھتے ہی مجھے اُلٹیاں آنے لگتی ہیں۔"

ملک جہانگیر قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "مجھے سب علم ہے۔ اسی لئے میں نے دال نزدیک نہیں آنے دی۔ ورنہ میرا نائی دال گوشت اَیسا پکاتا ہے کہ لوگ تیتر کو بھول جاتے ہیں۔ تم ذرا اِس صدمے پر حاوی ہو جاؤ تو تمہیں کھلاؤں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"ناں، بھائی جان، ناں،" سرفراز نے دونوں ہاتھوں سے کان پکڑ کر کہا۔

"عالمگیر، بھائی کو ڈیرہ تو دکھاؤ،" جہانگیر نے کہا۔ "سرفراز تم تو کئی سال سے اِدھر نہیں آئے۔ پچھلے سال میں نے پیچھے نئے کمرے بنوائے ہیں۔ وہ عالمگیر کا پورشن ہے۔ جاؤ دیکھ کے آؤ۔ آ کر بتاؤ کہ میں نے ٹھیک کیا یا غلط۔"

عالمگیر باپ کے کہنے پہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ سرفراز بھی اُٹھ کر اُس کے ساتھ چل دیا۔ وہ دونوں مہمانوں کے بیچوں بیچ چلتے، سامنے والے برآمدے کی بغل سے ہو کر جہاں پیپل کے دو پرانے درخت کھڑے تھے، عمارت کے عقب کی جانب نِکل گئے۔ اُن کے جانے کے بعد جہانگیر نے پُوچھا،

"مقدمہ کس سٹیج پر ہے؟"

"تاریخ مِل گئی ہے۔ وکیل کہتا ہے ابھی ایک آدھ تاریخ تو اِبتدائی کاروائی میں گزر جائے گی۔"

"وکیل قابل ہے؟"

"تجربہ کار ہے۔ بڑی بات تو یہ ہے کہ بدیع الزمان کا دوست ہے۔ مفت مقدمہ لڑ رہا ہے۔"

"دوست ووست سب ٹھیک ہے بھائی، مگر سچی بات تو یہ ہے کہ جب انہیں پیسے کے بغیر مقدمہ لڑنا پڑے تو وکیل دِل لگا کر کام نہیں کرتے۔"

"دیکھیں کیا ہوتا ہے،" اعجاز نے کہا "آدمی تو مخلص نظر آتا ہے۔"

"اللہ اَپنا کرم کرے گا،" جہانگیر نے کہا۔ "تُم لوگ حق پر ہو۔"

"سنتے میں آیا تھا بھائی جہانگیر کہ آپ علاج کی خاطر بیرونِ ملک جا رہے تھے؟"

"ہاں بھئی، ارادہ تو تھا۔ سارا انتظام مکمل ہو گیا تھا۔ پھر میں نے خُود ہی ذہن بدل دیا۔"

"کیوں؟ ولایت میں تو سُنا ہے بڑی بڑی بیماریوں کا علاج موجُود ہے۔"

"علاج کیا ہے بھائی، چیر پھاڑ کرتے ہیں۔ بس سمجھ لو جی نہ مانا کہ پردیس میں جا کر رسک لوں۔ اللہ جانے زندگی کتنی ہے کتنی نہیں ہے۔ یہ میرا گھر ہے، میں یہیں پہ اَپنے دِن پورے کرنے چاہتا ہوں۔" جہانگیر ایک لحظے کو رُکا، پھر وہ اعجاز کا ہاتھ پکڑ کر بولا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"دراصل میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

جہانگیر کی بات بیچ میں ہی تھی کہ ایک بوڑھا کسان اُس کے سامنے آ کر زمین پر بیٹھ گیا۔ "سرکار ایک عرض ہے،" وہ بولا۔

"اللہ وسائے، اِس وقت میں اَپنے مہمان کے ساتھ ضروری بات کر رہا ہوں۔ تو سویر ہونے تک رُک نہیں سکتا؟"

"جیسے حضور کی مرضی۔ میں تو اِدھر ہی بیٹھا رہتا ہوں۔ منشی سے بھی عرض گزاری ہے۔"

"اچھا، تڑکے آ جانا۔ میں تجھے یہیں پر ملوں گا،" جہانگیر نے کہا۔ پھر وہ صوفے سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "چل اعجاز، اَندر چل کر بیٹھیں۔ یہاں تو اب اِن لوگوں کا پیٹ بھر گیا ہے، ساری رات آتے جاتے رہیں گے۔"

اعجاز جہانگیر کے پیچھے پیچھے ڈیرے کے کمرے میں چلا گیا۔ باہر اب کرسیاں خالی ہو چکی تھیں۔ اُن پر جو لوگ بیٹھے تھے وہ یا گھر جا چکے تھے، یا اُٹھ کر دریوں پر دوسروں کے پاس جا کر بیٹھ گئے تھے۔ دسمبر کی سردی اَپنا رنگ دِکھا رہی تھی۔ دریوں پر اب زیادہ تر غریب کسان اَور درمیانے درجے کے زمیندار، موٹے موٹے کھیس لپیٹے اِس طمانیت سے حقے گڑگڑا رہے تھے جیسے رات بھر اسی طرح بیٹھے باتیں کرتے رہیں گے۔ کئی اَپنے کھیسوں میں سکڑے سکڑائے وہیں پہ لیٹ کر سو چکے تھے۔

کمرے میں پہنچ کر جہانگیر نے دروازہ اَندر سے بند کر لیا۔ "اعجاز، میرے دِن اب چار ہیں یا بیس، یہ سمجھ لو کہ کچھ پتا نہیں۔ میں نے اَپنی زندگی اچھی گزاری ہے، مجھے کوئی افسوس نہیں۔"

"ایسی بات نہ کرو بھائی جہانگیر۔ تمہاری عمر کم از کم نوے سال ہوگی۔ مجھ سے لکھوا لو۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔ مگر اعجاز میں ٹھیک نہیں ہوں۔ میرا دِل جانتا ہے۔ اب زمانہ تم لوگوں کا ہے۔ تیرا اَور سرفراز کا اَور عالمگیر کا۔ میرے خاندان کو تو تم جانتے ہی ہو۔ بڑے بہنوئی جہاں زیب صاحب نے عیاشیوں میں پڑ کر جائیداد بھی گنوائی اَور زندگی بھی۔ اب میری بہن اَور اِس کے بیٹے میرے دُشمن بنے ہُوئے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"سنا تو میں نے بھی ہے،" اعجاز نے کہا۔ "مگر اندر کی بات کا مجھے علم نہیں۔"

"اندر کی بات کیا ہوگی۔ بھائی صاحب، خدا اُنہیں جنّت نصیب کرے، ہر مہینے دو مہینے اپنی عیش عشرت کے واسطے مجھ سے پیسے لے جاتے تھے اَور زمین کے کاغذ میرے نام لکھ کر دے جاتے تھے۔ لاکھوں لے گئے اَور اِسی طرح دُنیا سے رُخصت ہوگئے۔ شراب نے اُن کا جگر جلا کے رکھ دیا تھا۔ اب میں وہ جائیداد چھوڑ تو نہیں سکتا۔ میری کمائی اُس پہ لگی ہُوئی ہے۔"

"یہ تو دُرست ہے،" اعجاز نے کہا۔

"میری بہن کہتی ہے کہ میں نے اُسے اندھیرے میں کیوں رکھا۔ میں تم سے پُوچھتا ہوں اعجاز، اگر تمہارا کوئی بہنوئی ہوتا اَور وہ تمہارے پیر پکڑ کر منت کرتا کہ بات باہر نہ نِکلنے پائے، تو تم کیا کرتے؟"

"میں بھی وہی کرتا جو تم نے کیا، بھائی جہانگیر۔"

"میرے اَور کوئی سگے رشتہ دار نہیں ہیں، جو تھے وہ دُشمن بن چکے ہیں۔ خیر، چھوڑ اِن باتوں کو۔ مقصد میرا بات کرنے کا یہ ہے کہ عالمگیر اب اکیلا ہے۔ ہماری قوم برادری میں اب تم ہی ہو، یا سرفراز ہے۔ تو نے دُنیا کے کاموں میں تجربہ حاصل کیا ہے۔ جس کام میں ہاتھ ڈالا ہے تجھے کامیابی ہُوئی ہے۔ سرفراز نے بھی میدان مارا ہے۔ اِنشاء اللہ ایک دن حکومت کا ستون بنے گا۔ میں چاہتا ہوں عالمگیر کو تم اَپنے سائے میں رکھو۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے،" اعجاز بولا "اول تو اللہ تعالیٰ ہم سب کے اُوپر آپ کا سایہ قائم رکھے۔ مگر جو بھی حالات ہُوئے، عالمگیر اَپنا بھائی ہے۔"

"بس بس، مین یہی چاہتا ہوں کہ تم اُسے اَپنا چھوٹا بھائی سمجھو۔ سرفراز سے بھی کہو اُس سے میل جول رکھے۔"

"تمہارے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں بھائی جہانگیر۔"

"عالمگیر اچھا لڑکا ہے۔ شریف ہے، تابعدار ہے، ہوشیار بھی ہے۔ بی۔اے کر لے گا۔ پھر ایل۔ایل۔بی کرنے کا اِرادہ رکھتا ہے۔ کالج کی سیاست میں بھی حِصّہ لیتا رہا ہے۔ میرے ساتھ ملکی حالات پر بات کرتا ہے۔ پڑھائی سے فارغ ہو کر اگر سیاست میں گیا تو تمہارے تجربے اَور گائیڈنس کا بدل اسے کہیں سے نہیں ملے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"تمُہاری نوازش ہے بھائی جہانگیر، ورنہ میں کس قابل ہوں۔"

"یہ نہ کہو اعجاز، اب تم بیس سال پہلے کے سکول ماسٹر نہیں رہے۔ تمُہاری دنیا میں ایک حیثیت ہے، تعلق واسطے ہیں، رشتہ داریاں ہیں۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ جو میں نے کہا ہے اُس پر عمل کرو گے۔"

"بھلا اپنوں سے بھی وعدہ لیا جاتا ہے؟ وعدے کی بات تو غیروں سے کی جاتی ہے۔"

"اونہوں، اَیسے نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ میں نے تمُہیں اِس مقصد کے لئے کھانے پر بلایا ہے۔ میں دِل سے سرفراز کی قدر کرتا ہوں۔ اُس نے ملک بھر کے اعوانوں کا سربلند کیا ہے۔ مجُھے بجا طور پر اُس پر فخر ہے، مجُھے اَپنے بیٹے کی طرح عزیز ہے۔ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ جو حالات بھی ہُوئے، تم عالمگیر کی پشت پر ہاتھ رکھو گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں جہانگیر، سو بار وعدہ کرتا ہوں۔"

"بس، میں یہی چاہتا ہوں۔ اب میرے دِل کو چین آگیا ہے،" جہانگیر اَپنے دونوں ہاتھوں میں اعجاز کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ جذبات کی شدت سے اُس کی آواز میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ آگئی تھی۔ "اِتفاق میں بڑی برکت ہے۔ تو نے دیکھا ہے، جو کمی کمین طبقہ ہے وہ اتفاق کی وجہ سے دُنیا میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ ایک دُوسرے کو بندوقیں مارتے ہیں اَور ضمانتیں کرانے ہمارے پاس آتے ہیں، مگر جب مقابلے کی بات آتی ہے تو،" جہانگیر نے پانچوں اُنگلیوں کی مٹھی کس کر دکھائی، "اَیسے ہو جاتے ہیں۔ ایک ہمارا زمانہ تھا کہ ہماری قوم کا نام ہی فخر کی علامت تھا۔ آج ہر ایرا غیرا ملک اَور چوہدری بنا پھرتا ہے۔ اپنے نام کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ تیرا میرے اُوپر بڑا احسان ہے۔ اب میں تسلی سے اپنے دِن پورے کروں گا۔"

"اَیسی بات مُنہ سے نہ نکالو بھائی جہانگیر۔ وقت وقت کا کوئی پتا نہیں ہوتا" اعجاز نے کہا۔

جہانگیر دیر تک اعجاز کے ہاتھ کو اَپنے ہاتھ میں دبائے بیٹھا رہا۔ نوکر نے آکر اطلاع دی۔ "جی بیبیاں گڈی میں بیٹھ گئی ہیں۔" دونوں اُٹھ کھڑے ہُوئے۔ باہر برآمدے میں سرفراز اور عالمگیر، سردی سے 'سی سی' کرتے ہُوئے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ دریوں پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


لوگ اُسی طرح بیٹھے اَور لیٹے ہُوئے سوتے جاگتے ہُوئے حقے گڑگڑا رہے تھے اَور آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔

"تیری کچہری تو بھائی اُسی طرح لگی ہُوئی ہے،" اعجاز نے ہنس کر کہا۔

"یہ نامراد اب کوئی جانے والے ہیں؟" جہانگیر نے کہا۔ "یہیں پر لمبے پڑ جائیں گے۔ سویرے اُٹھ کر اُلٹا اَپنا رات گزارنے کا حق مانگیں گے، چاء پراٹھے طلب کریں گے، پھر کہیں جا کر اِن سے خلاصی ہوگی۔"

ہنستے ہنستے جہانگیر اَور عالمگیر، اعجاز اَور سرفراز سے گلے مِل کر رخصت ہوئے۔ سرفراز نے لباس کے اَندر جہانگیر کے ہڈیوں کے ڈھانچے کو محسُوس کیا، مگر اُس کے معانقے میں زور تھا۔ اُس وقت سرفراز نے اَپنے اَندر جہانگیر کے لئے عجیب سی یکجہتی کا جذبہ محسُوس کیا۔

"پھر پروگرام پکا ہے ناء؟" عالمگیر نے سرفراز سے پُوچھا۔

"کیا پروگرام بنا ہے بھئی،" جہانگیر نے پُوچھا۔

"شکار کا،" عالمگیر نے جواب دیا۔

"ہاں ہاں، سرفراز کو تیتر شیتر کھلاؤ، اِس کی صحت بحال ہو۔ مگر سنو،" جہانگیر مُنہ آگے کر کے اُونچی سی سرگوشی میں بولا، "چنے کی دال کا نام نہ لینا۔"

چاروں قہقہہ لگا کر ہنسے۔ سب دوبارہ ہاتھ ملا کر رُخصت ہُوئے۔

"کیوں بھئی غفار خان، کھانا ٹھیک ٹھاک ملا؟" اعجاز نے ڈرائیور سے پُوچھا۔

"ٹھیک ٹھاک کیا ملک صاب، بہوت ودھیا ملا،" غفار خان لبوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

گاڑی میں تینوں عورتیں اَور دونوں لڑکے چٹر پٹر کر رہے تھے۔

"حسینے، میرے ساتھ آؤ گے؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"ابا سردی ہے۔"

"ہاہا۔ جی چھوڑ گئے ناء" اعجاز نے موٹر سائیکل سٹارٹ کرتے ہُوئے کہا۔

سرفراز گلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی ابھی تھوڑی دُور ہی گئی کہ حسن اَور حسین سرسینوں پر لٹکا کر سو گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


وہ خاکی کوٹ والا ملک جھنگیر تھا؟" سکینہ نے سرفراز سے پُوچھا۔

"ہاں۔ تم نے اُسے کہاں دیکھا بی بی؟"

"جب ہم موٹر سے اُترے تو سامنے ہی بیٹھا تھا۔ ہائے، میں نے اُسے پچھانا ہی نہیں۔ سوکھ کر لکڑی ہو گیا ہے۔"

"ہاں،" سرفراز نے کہا۔ "بیمار ہے۔"

سکینہ، جمیلہ اَور اُن کی ماں دوبارہ جہانگیر کے گھر کی عورتوں، اُن کے لباسوں اَور زیوروں اَور اُن کی آپس کی باتوں کے ذکر میں مشغول ہو گئیں۔ جب گاڑی اُن کی گلی کے سَر پر جا کر رُکی تو سرفراز کا جی ہلکا ہو چلا تھا اَور نیند اُس کی آنکھوں میں بھری آتی تھی۔

"ملک صاب،" ڈرائیور غفار خان اعجاز سے بولا، "اجازت ہے،"

"ہاں غفار خان،" اعجاز اُس کی جیب میں دس کا نوٹ اُڑستا ہُوا بولا۔ "حاجی صاحب سے میرا سلام کہہ دینا۔ ایک دو دِن میں آ کر ملوں گا۔"

"بہت اچھا جناب۔ سلاواں لیکم۔"

"وعلیکم سلام غفار خان۔ خدا حافظ۔"

صحن میں داخل ہو کر سرفراز نے اعجاز سے کہا، "میرا کل شہر جانے کا ارادہ ہے۔"

"جلدی کیا ہے،" اعجاز نے کہا۔ "دو مہینے پڑے ہیں۔ چلے جانا۔"

"ہمارے ایک کورس میٹ جمال کی خبر ملی ہُوئی ہے۔ اُس کی پوسٹنگ یہاں کی ہو گئی ہے۔ میں سوچ رہا تھا اُس سے جا کر مِل آؤں۔"

"تو ٹھیک ہے۔ موٹر سائیکل لے جانا۔ شام تک آ جاؤ گے ناء؟"

"ہاں۔ زیادہ سے زیادہ پرسوں تک رُکوں گا۔ تُمہیں موٹر سائیکل تو نہیں چاہیے، لالہ؟"

"نہیں۔ میں دو چار روز گھر پر ہی رہوں گا۔"

مگر سرفراز نہ ایک روز، نہ دو روز بلکہ پورے سات دن تک شہر سے نہ لوٹا۔ پہلے ہی روز، جمال کی جیپ میں شہر کی بڑی سڑک سے گزُرتے ہُوئے اِتفاق سے اُس کی ملاقات نسرین سے ہو گئی۔ اگلے ہی روز اُس کی ملاقات گاؤں کے ایک آدمی سے ہُوئی جس کے ذریعے اُس نے اعجاز کو پیغام بھیج دیا کہ ضروری کام سے اُسے شہر میں چند روز رُکنا پڑ گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


ہے۔ شام کے وقت سرفراز شعیب کے گھر آ جاتا اور نسیمہ اور شعیب سے کچھ دیر باتیں کرتا، مگر جلد ہی سونے کے لئے چلا جاتا۔ دِن کے وقت وہ مختلف جگہوں پہ نسرین سے ملتا۔ جمال کو، جسے سرفراز اور نسیمہ کی منگنی کی خبر تھی، سرفراز نے نیم مذاق اور نیم سنجیدگی سے اِس راز میں شریک بننے پر راضی کر لیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب جمال نے دیکھا کہ معاملہ بڑھتا جا رہا ہے تو اُس نے اِس بات پر سرفراز کو لعنت ملامت بھی کی، جسے سرفراز نے نظر انداز کر دیا۔ نسیمہ کو بھی سرفراز کے اندر اِس تبدیلی کا احساس ہو چکا تھا، تاہم اُس نے سرفراز کی زندگی میں پچھلے دو برس کے حالات کے پیش نظر اِس کا ذکر کرنے سے گریز کیا۔ سات روز تک نسیمہ اور شعیب اسی اندازے میں رہے کہ سرفراز دن کے وقت گاؤں چلا جاتا ہے اور ہر شام کو صرف اُنہیں ملنے کی خاطر شہر آتا ہے۔ سرفراز نے بھی اِس تاثر کو زائل کرنے کی کوشش نہ کی۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سے دُنیا کے ساتھ سرفراز کی اپنی فریب کاری کی اِبتدا ہو چکی تھی۔

سات روز کے بعد سرفراز گاؤں گیا تو جھوٹ سچ کہانی سُنا کر دو دِن کے بعد ہی پلٹ آیا۔ اب اُس نے جمال کے ذریعے اُس کے میس میں کمرہ لے کر مہمان کے طور پر رہنا شروع کر دیا۔ اپنی بقیہ پونے دو ماہ کی چھٹی کے دوران سرفراز نے گاؤں میں صرف دس روز گزارے، نسیمہ اور شعیب سے بھی ساتھ آٹھ بار ہی ملا۔ باقی کے دِن وہ ہر روز نسرین سے ملتا رہا۔ اِس کے باوجُود سرفراز ہر روز ایک اجنبیت لے کر واپس آتا تھا۔ وہ نسرین کی یاد پر کبھی بھی حاوی نہ ہو سکا۔ نسرین میں اُسے ایک ایسی عورت نظر آئی تھی جو ایک بچے کی سی معصومیت رکھتی تھی مگر ساتھ ہی ایک پوری عورت کی نامعلوم آلائش کی حامل بھی تھی---- جو کہ ایک فریب تھی یا نہیں، مگر جو سرفراز کے دولخت قلب سے کسی نہ کسی طور میل کھاتی تھی۔

اعجاز نور پور سے دِتے کمہار کے جنازے میں شریک ہو کر واپس آ رہا تھا کہ ملکوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


کے بھٹے پر ایک ہجوم کو دیکھ کر رُک گیا۔ اُس نے موٹر سائیکل کا رخ اُس کچے رستے پر موڑ دیا جو بھٹے تک جاتا تھا۔ ساٹھ ستر آدمیوں کی ریل پیل تھی۔ آٹھ دس پولیس والے تھے۔ ایک پولیس کی گاڑی تھی۔ بھٹے پر کام کرنے والے مزدُور اِدھر اُدھر خاموش کھڑے تاسف سے سَر ہلا رہے تھے۔ اُن کی عورتیں مُنہ پہ کپڑا رکھے رو رہی تھیں۔ اعجاز موٹر سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے ہجوم میں جا گھسا۔ درمیان میں دو کُرسیاں رکھی تھیں جن پر نور پور تھانے کا ایس۔ایچ۔او چوہدری اظہر اَور اُس کے نائب محرر تھے۔ نائب محرر ایک گتے پر چند کاغذات رکھے، اُسے گھٹنے پر ٹکائے، ہاتھ میں قلم پکڑے بیٹھا تھا۔ اُن کے سامنے، ہجوم کے دائرے کے بیچ میں کوئی شے چادر سے ڈھکی ہُوئی، زمین پہ پڑی تھی۔ ہوا میں ایک عجیب سی بو پھیلی تھی۔

"کیا ہُوا؟" اعجاز نے گاؤں کے ایک آدمی کو پہچان کر پُوچھا۔

"ملک حمید قتل ہو گیا ہے۔"

"ہیں؟" اعجاز چونک کر تقریباً اُچھل پڑا۔

مجمعے میں سب کی نظریں اُس چادر پہ جمی تھیں جو ایس۔ایچ۔او کے پاؤں سے چند انچ کے فاصلے پہ پھیلی تھی۔ ملک لطیف جو ملک حمید سے دُوسرے نمبر پر تھا، کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے، دونوں ہاتھوں سے سَر کو پکڑے ہُوئے ایک طرف زمین پہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ اُس کے ہاتھ آنکھوں کو ڈھانپے ہُوئے تھے۔ یُوں لگتا جیسے وہ رو رہا ہے۔ اُس کے چاروں پانچوں بھائی اُس کے پیچھے خاموش بیٹھے تھے۔ اعجاز کو حیرت ہو رہی تھی کہ اُس کو اِس واقعے کی خبر کیوں نہیں ہُوئی۔ مگر وہ صبح سویرے ہی گھر سے نِکل پڑا تھا اور مختلف راستے سے، جہاں ایک دُوسرے گاؤں میں اُسے کسی سے ملنا تھا، نور پور پہنچا تھا۔ واپسی پر وہ پکی سڑک سے آیا تھا۔

"قاتل پکڑا گیا؟" اعجاز نے پُوچھا۔

آدمی نے نظریں چادر سے ہٹائے بغیر، ایک لحظے کے توقف سے نفی میں سَر ہلایا، جیسے کہ اُسے اِس سانحے کی موجُودگی میں اعجاز کے سوال سے کوئی سروکار نہ ہو۔ اِتنے میں سڑک کی جانب سے ایک موٹر سائیکل آئی جس پہ تین فیتوں والا حوالدار اَور اُس کے پیچھے ایک سپاہی سوار تھے۔ موٹر سائیکل ٹھہرا کر وہ نیچے اُترے اَور سیدھے تھانیدار کے سامنے آ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کھڑے ہُوئے۔ سپاہی کے ہاتھ میں ایک لمبا سا پلاسٹک کا تھیلا تھا۔

"ہٹ جاؤ اوئے، تھانیدار مجمعے پر چیخا، "یہ تمُہاری ماں کا نکاح ہو رہا ہے؟ ساروں کو پکڑ کر اَندر کر دوں گا بدمعاشو۔ سویرے سے کہہ رہا ہوں جاؤ دفعہ ہو جاؤ۔ چلو چلو، جاؤ اپنے کام پر جاؤ، پیچھے ہٹو، جگہ خالی کرو۔"

تین چار سپاہی ڈنڈے سوٹے لہرا لہرا کر مجمعے کو پیچھے ہٹانے لگے۔ لوگ ایک ایک قدم پیچھے ہٹ کر رُک گئے۔ دائیرہ کچُھ وسیع ہُوا۔ تھانیدار اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اُس کے اِشارے پر ایک سپاہی نے بڑھ کر زمین پر پڑا چادر کا پردہ اُٹھایا۔ مجمعے سے ایک ملفوف سی ہوک بلند ہوئی۔ لوگ ہلنے جلنے لگے۔ کچُھ آگے آنے کو ہاتھ مارنے لگے، کچُھ ایک نظر ڈال کر پیچھے ہٹ گئے۔ عورتوں نے ایک ساتھ "ہائے" کر کے مُنہ پھیر لئے۔

سامنے اِنسانی جسم کے متعدد اعضاء الگ الگ پڑے تھے جو جل کر تقریباً کوئلہ بن چکے تھے۔ گردن سے اُوپر چہرہ اَور سر آگ نے یُوں مسخ کر دیا تھا کہ کسی قسم کی شناخت سے بعید تھا۔ پہلی نظر میں یُوں معلوم ہوتا تھا جیسے جلی ہُوئی لکڑی کے ٹکڑے ہوں۔ مگر ہاتھ پاؤں کی اُنگلیوں کی ہڈیاں دکھائی دیتی تھیں۔ شخصیت کی شناخت کے لئے صرف ایک شے تھی جو قاتل کی نظر سے چھٹ گئی تھی۔ بائیں ہاتھ کی چوتھی اُنگلی میں ملک حمید کی فیروزے کی انگوٹھی موجُود تھی۔ اُس کی چاندی آگ کی حدت سے ٹیڑھی میڑھی ہو چکی تھی، مگر انگلی سے گوشت اُتر جانے کے باوجُود اُنگوٹھی اُنگلی پر قائم تھی۔ فیروزے کا پتھر بدرنگ ہو گیا تھا، مگر حیرت انگیز طور پہ وہیں کا وہیں جُڑا تھا۔ تھانیدار کے ساتھ ایک آدمی اُٹھ کر مختلف زاویوں سے اُن اعضاء کی تصویریں بنانے میں مصروف تھا۔ ایک سپاہی چاک کے ٹکڑے سے اُن کے گرداگرد لکیر کھینچ رہا تھا، گویا اُنہیں ایک حصار میں مقید کر رہا ہو۔ دونوں آدمی ایک دُوسرے کے رستے میں حائل ہو رہے تھے، مگر اَپنا کام جاری رکھے ہُوئے تھے۔ جب دونوں فارغ ہو چکے تو لکیر کھینچنے والے سپاہی نے چادر جو ایک طرف رکھی تھی، اُٹھائی اَور اُس کے ایک کونے کو ہاتھ پر لپیٹ کر نہایت احتیاط کے ساتھ ایک ایک سیاہ عضو کو اُٹھا کر پلاسٹک کے تھیلے میں ڈالنے لگا، جس کا مُنہ حوالدار کھولے ہُوئے کھڑا تھا۔ تھیلا بھر گیا تو حوالدار نے ایک ڈوری سے اُس کا مُنہ کس کر باندھ دیا۔ تھانیدار نے اَپنے ہاتھ کے چھوٹے سے ڈنڈے کو ہلا کر روانہ ہونے کا اشارہ کیا۔ اُسی اشارے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اُس نے ملک حمید کے سب بھائیوں اَور تین دُوسرے آدمیوں کو، جو ایک دُوسرے کے ساتھ لگ کر ایک جانب بیٹھے تھے، چلنے کا حکم دیا۔ تھانیدار جانے کے لئے مڑا تو اُس کی نگاہ اعجاز پر پڑی۔ اعجاز کے ساتھ اُس کی قریبی واقفیت تھی، مگر تھانیدار نے شناخت کا کوئی عندیہ نہ دیا۔

موٹر سائیکل پر تین پولیس والے سوار ہو گئے۔ باقی سب، بمعہ تھانیدار، ترپال کی چھت والی ٹرک نما گاڑی میں بھر کر وہاں سے رُخصت ہُوئے۔ چاک سے لگائے ہُوئے ٹیڑھے میڑھے نقشے پر ایک سپاہی ڈیوٹی کے لئے پیچھے رہ گیا۔ وہ تھانیدار کی خالی کی ہُوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اعجاز چند مِنٹ تک وہاں کھڑا سوچتا رہا کہ اب کیا کرے، کسی آدمی سے پُوچھے یا سپاہی سے بات کرے۔ پھر ارادہ بدل کر موٹر سائیکل پہ جا بیٹھا۔ اُسے سٹارٹ کر کے اعجاز نے اُس کا رُخ نور پور کی جانب موڑ دیا۔

تھانے کے اَندر خاصی گہما گہمی تھی۔ کئی جان پہچان والے لوگ ملک حمید کے بھائیوں کے پاس بیٹھے تھے۔ اعجاز نے اُن سے علیک سلیک کی۔ چند مِنٹ تک وہ اُن کے پاس خاموشی سے بیٹھا رہا، پھر اُٹھ کر تھانیدار کے کمرے کو چل پڑا۔ دروازے پر لٹکی ہُوئی چک اُٹھا کر اُس نے سر اَندر داخل کیا۔ تھانیدار محرر کی کُرسی پر بیٹھا کچھ کاغذات اُلٹ پلٹ کر رہا تھا۔ تھانیدار نے سر اُٹھا کر دیکھا اَور کچھ بولے بغیر دوبارہ کاغذات دیکھنے لگا۔ اعجاز کی چوہدری اظہر کے ساتھ اُس وقت سے واقفیت تھی جب چوہدری اظہر تھانہ مغلپورہ میں اے۔ایس۔ آئی تھا۔ ابھی تک اُس کے ساتھ اعجاز کے تعلقات ایسے تھے کہ میوے والے گُڑ کی ٹوکریاں اُسے بھیجا کرتا تھا۔ اعجاز اَندر داخل ہُوا۔

"اسلام علیکم، چوہدری صاحب۔"

تھانیدار سلام کا جواب دیئے بغیر کاغذات پہ نظریں جمائے جمائے بولا، "میں کسی اخبار و خبار والے سے بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"میں اخبار والا نہیں، چوہدری صاحب، مقامی آدمی ہوں۔ اِن لوگوں سے میرا تعلق واسطہ ہے۔"

"میں تیرا تعلق واسطہ تیری پیٹھ میں گھسیڑ دوں گا اعجاز،" چوہدری اظہر گرجا، گو اُس کی گرج میں اپنائیت کی جھلک تھی۔ "کبھی تو یونین کا لیڈر بن کر آ جاتا ہے، کبھی صحافی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



شحافی بن کر میری گانڈ پر آ سوار ہوتا ہے۔ اب تو اَپنا تعلق واسطہ لے کر آ گیا ہے۔ تیرا اَپنا مقدمہ چل رہا ہے۔ تجھے مزا آئے گا جب عدالت تیری جائیداد قرق کر کے دو سال کے لئے اَندر بھی کر دے گی۔ تو اَپنی خیر منا۔ چل جا کر اُدھر بیٹھ،" تھانیدار نے ہاتھ سے اَپنے کمرے کی جانب اشارہ کیا۔ "میں قتل کی تفتیش کر رہا ہوں۔"

اعجاز اُٹھ کر چپکے سے ایس۔ ایچ۔ او کے ملحقہ کمرے میں جا بیٹھا۔ کمرہ خالی تھا۔ میز پر کوئی کاغذ نہ تھا، صرف ایک ٹیلیفون رکھا تھا۔ اُس کی گھنٹی جب بولتی تو ساتھ والے کمرے سے ایک سپاہی آ کر جواب دیتا، جو مُستقِل طور پر ایک ہی طرز کا ہوتا۔ "چوہدری صاحب مصروف ہیں۔ جی اِس وقت وہ تین سو دو کی تفتیش میں مصروف ہیں۔ جی؟ نہیں جی، اِس وقت ممکن نہیں ہے، بعد میں رابطہ کریں، کوئی دو تین گھنٹے کے بعد۔ کیا کہا؟ یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ اُن کے آنے جانے کا کوئی علم نہیں۔۔۔۔"

صرف ایک مرتبہ وہ "اچھا سر" کہہ کر فون نیچے رکھ کر گیا، اَور اعجاز نے سنا کہ وہ تھانیدار سے جا کر بولا، "ڈپٹی صاحب کا فون ہے۔"

چوہدری اظہر آیا اَور فون سننے کے بعد "بہت اچھا سر،" کہہ کر اعجاز کی جانب دیکھے بغیر واپس چلا گیا۔ ساتھ والے کمرے سے بہت سی آوازیں آ رہی تھیں، جو وقفے وقفے پر دب جاتیں۔ اعجاز نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی بات صاف سنائی نہ دی، صرف اِتنا پتا چلا کہ ملک حمید کے بھائیوں اَور دُوسرے آدمیوں کو ایک ایک کر کے اندر بلا کر بات ہو رہی تھی۔ کافی دیر تک ٹیلیفون کی گھنٹی نہ بجی۔ دو تین راتوں سے اعجاز کی نیند پوری نہ ہو سکی تھی۔ کُرسی پر بیٹھے بیٹھے وہ اونگھ گیا۔ اسی حالت میں اُس نے چند آدھے پونے خواب دیکھے۔ آخری خواب میں ایک شخص ایک دوسرے آدمی کے ہاتھ پاؤں کو ٹوکے سے کاٹ کر ٹکڑے کر رہا تھا اَور خُون کے فوارے اِدھر اُدھر چھوٹ رہے تھے، مگر اُسی وقت وہ ٹکڑے آپس میں مِل گئے اَور آدمی ثابت و سالم اُٹھ کر چلنے پھرنے لگا۔ گہری نیند سے اعجاز اَپنے ہی خراٹوں کی آواز سے جاگا۔ کمرہ اُسی طرح خالی تھا۔ ساتھ والے کمرے سے اب دھیمی دھیمی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُس نے گھڑی پہ وقت دیکھا تو چونک پڑا۔ ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ وہ کُرسی سے اُٹھا تو اُس کی کمر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ وہ کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہُوا۔ تھانے کے احاطے میں اعجاز کو وہ چھوٹا سا مجمع دکھائی دے رہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



تھا جس میں ملک حمید کے بھائی شامل تھے۔ اب اُن کے ساتھ مزید لوگ آ کر مِل گئے تھے جن میں کئی کو اعجاز نے دُور سے دیکھ کر پہچانا۔ تھانیدار چوہدری اظہر کمرے میں داخل ہوا اَور جا کر اَپنی کُرسی پہ بیٹھ گیا۔ اعجاز پلٹ کر اُس کے پاس پہنچا۔

"کوئی مُنہ سَر بنا؟" اُس نے پُوچھا۔

"دیکھ اعجاز،" چوہدری اظہر بولا، "تفتیش ابھی شُروع ہُوئی ہے۔ میری ساری رات یہاں لگ جائے گی۔"

"چوہدری صاحب کچُھ نہ کچُھ تو بتائیں، آخر معاملہ کیا ہے۔"

"دیکھ، تفتیش جاری ہے، اِس کا ایک لفظ تیرے مُنہ سے نِکلا تو شبے میں پکڑ کر بند کردوں گا۔"

"اگر میرے مُنہ سے نِکلا تو مجُھے اُلٹا لٹکا دیں۔"

"یہ عشق عاشقی کا معاملہ ہے۔"

"عشق عاشقی کا؟" اعجاز کا مُنہ کھلا رہ گیا۔

"دُشمنی کا بہانہ کر کے جان بچانا چاہتے ہیں۔ مگر مجُھے گواہیاں مِل جائیں گی۔"

"کس کا عشق اَور عاشقی تھی؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"ایک مزدُور عورت تھی۔ خُوش شکل اَور جوان تھی۔ ملک حمید اَور لطیف دونوں کے ساتھ اُس کا تعلق ہوگیا۔ آخر لطیف نے حسد میں حمید کو کاٹ کر بھٹے کی چمنی میں پھینک دیا۔ میرے پاس عینی شہادت موجُود ہے۔ وہ تو لطیف کی بدقسمتی کہ آگ اِتفاقی طور پر بجھ گئی، بھڑکتی رہتی تو ہڈیاں بھی جل کر بھسم ہو جاتیں۔ آگ ہلکی ہوتی گئی اَور بو آہستہ آہستہ پھیلتی گئی۔ وہ کہتے ہیں ناء کہ عشق اَور مشک نہیں چھپتے؟" چوہدری اظہر طنز سے ہنسا، "یہاں عشق بھی تھا اَور مشک بھی۔ پکڑے گئے۔"

"اور وہ عورت؟" اعجاز نے پُوچھا۔

"غائب ہو گئی ہے----" چوہدری اظہر موٹی سی گالی دے کر بولا۔ "ایسے جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔"

"اُس کا سراغ تو ملنا چاہئے،" اعجاز نے کہا۔

"چھوڑوں گا نہیں، مجھ سے بچ کر کہاں جائے گی، قبر تک پیچھا کروں گا۔ چل اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


جا۔ وقت آنے پر پھر بات کروں گا۔ مگر یاد رکھ اِس کا ایک لفظ باہر نِکلا تو تجھے دھر لوں گا۔"

"چوہدری صاحب، آپ نے پہلے بھی واضح کر دیا تھا،" اعجاز ہنس کر بولا۔ "مجھے یاد ہے۔"

"آج گرفتاری لوں گا،" تھانیدار بولا۔ "اب چلا جا۔"

واپسی پر اعجاز چند مِنٹ ملکوں کے پاس بیٹھا۔ "میں نے پوری کوشش کی کہ اُس کے ذہن کا پتا لگاؤں،" اُس نے بتایا، "مگر اُس نے ایک بات بھی میرے ہاتھ میں نہیں پکڑائی۔ بہرحال، فکر کی کوئی بات نہیں۔ میں آتا جاتا رہوں گا۔" وہ شام کو واپس آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے رُخصت ہُوا۔

اعجاز موٹر سائیکل سڑک پر دوڑائے چلا جا رہا تھا کہ بھٹے کے سامنے سے گزرتے ہُوئے کوئی بات اچانک اُس کے دِل میں کھٹکی۔ وہ رُک گیا۔ وہاں پہ رُکا وہ ذہن پہ زور دے کر سوچتا رہا کہ وہ کیا بات تھی جو اُس کے دِل پر پھر رہی تھی مگر ہاتھ نہ آتی تھی۔ پھر یکبارگی جیسے کسی معمے کا کھویا ہُوا حرف مِل جائے، اُسے یاد آ گیا کہ وہ عورت جو کچھ دیر پہلے وہاں سے گزُرتے ہُوئے اُس نے دیکھی تھی، جس کی چال ڈھال میں اُسے مانُوسیت کی جھلک نظر آئی تھی، وہ تو وہی عورت تھی جس کو اُس نے ملتان میں کنیز کے دفتر میں دیکھا تھا۔

دو مزدُور بھٹے سے سڑک کی جانب آ رہے تھے۔ اعجاز نے اُنہیں اِشارے سے اپنے پاس بلایا۔

"وہ عورت،" اُس نے پُوچھا "جو دو دِن سے غائب ہے، لمبے قد کی، گوری سی، گول مُنہ والی عورت تھی؟"

"ہاں جی،" ایک مزدُور نے جواب دیا۔ "ایسی ہی تھی۔" پھر وہ خُود بخود باتیں کرنے لگا۔ "کسی بھٹے سے نہیں آئی تھی جی، نہ اُس کے پاس پرچی تھی نہ کوئی پیشگی کا معاملہ تھا۔ بس آ کر کام پر لگ گئی تھی۔ کسی کے ساتھ بولتی چالتی بھی نہ تھی۔ ہمیں تو اُس کی سمجھ نہیں آئی ملک جی۔"

"میرے خیال کے اَندر تو وہی سارے فساد کی جڑ تھی،" دُوسرا مزدُور بولا۔

"اچھا؟" اعجاز کا مُنہ وا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"ہاں جی۔ کوئی چھپی ہُوئی بات نہیں تھی۔ بڑے ملک صاحب نے ایک ٹبر کو بے دخل کرکے اُس زنانی کو سب سے اچھی کوٹھڑی دی تھی۔ کبھی بڑے ملک اَور کبھی چھوٹے ملک صاب اندر گھس جاتے تھے۔ مگر ہم تو بات نہیں کرتے، نہ گواہی کے لئے آگے آئیں گے۔ غریب آدمی ہیں، ہماری روزی کا مامِلہ ہے جی۔ ہمیں کیا پڑی ہے بڑے لوگوں کی باتوں میں آئیں۔ آپ تو ہمارے ہمدرد ہیں اِس لئے بات سچی سچی بتا دی ہے۔ ہمیں پتا ہے آپ ہماری طرفداری کے آدمی ہیں۔"

مگر اعجاز اُس کی بات نہ سن رہا تھا۔ اُس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے اَور دِل اُچھل رہا تھا۔ مزدُور کوئی جواب نہ پا کر اَپنے راستے پہ چل دیئے تھے۔ اعجاز دیر تک وہاں پر بھونچکا بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے مشکل سے، کئی کک لگا کر موٹر سائیکل سٹارٹ کی اَور دھیمی رفتار سے اُسے چلاتا ہُوا گھر کو چل دیا۔ اُس کے بدن میں لرزش تھی، جسے روکنے کی وہ سَر توڑ کوشش کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


# حِصّہ ہفتم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"میں تنگ آ چُکا ہوں۔
"میں نے بہت کچُھ لکھا ہے۔
اب میں صرف ایسی باتیں لکھوں گا
جنہیں لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔"

اَیرش فریڈ۔ (جرمن سے ترجمہ۔ منیرالدین احمد)

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


# باب 18

"اب تم اِتنی دُور چلے جاؤ گے؟" نسرین نے پُوچھا۔

"ہو سکتا ہے اِس سے بھی آگے چلا جاؤں۔"

"اِس سے بھی آگے؟" نسرین نے کہا۔ گو اُس کے الفاظ سوالیہ تھے، مگر اُس کے لہجے میں ایک بے اعتنائی کا رُخ تھا۔

چار ماہ ہو چلے تھے اَور سرفراز ابھی تک نسرین کے اَنداز کو سمجھنے سے قاصر رہا تھا۔ اول تو نسرین کی ظاہری بناوٹ میں ایک عجیب تضاد تھا۔ اُس کا جسم اَیسا منحنی تھا کہ ہاتھ لگاتے جی ڈرتا تھا کہیں کٹک کر کے ٹوٹ نہ جائے۔ پھر سرفراز اُس کو چھونے کی حد تک بڑھا تو اَیسی سہج سے ہاتھ رکھتا تھا گویا نوزائیدہ کو تھپک رہا ہو۔ مگر پہلے روز سے ہی نسرین کے اِنتہائی بے ہیجان چہرے اَور پُرسکوت آواز نے سرفراز پہ اُس کی شخصیت کے تنازعے کو عیاں کر دیا تھا۔ اِس دو رخی نے نسرین کے اَندر ایک اَیسی کشش پیدا کر دی تھی جس کے طلسم سے وہ آج تک نہ نِکلا تھا۔ نسوانیت کے سَاتھ سرفراز کا تجربہ صرف نسیمہ کی حد تک تھا۔ نسیمہ کی خاصیت بھاری بھر کم، ٹھوس اَور گہری تھی۔ مگر سرفراز کے دِل میں جو بے راہ رو خصلت در آئی تھی وہ نسیمہ کی اِس پائیدار ہمواری سے خم کھانے لگی تھی۔ نسرین کی مختلف اَور متضاد شکلوں میں ایک مُستقِل تناؤ کی کیفیت تھی جو سرفراز کو پنجوں کے بل کھڑے رکھے ہُوئے تھی۔ اَیسی چاہت سے پہلے کبھی اُس کا واسطہ نہ پڑا تھا۔ ڈی بریفنگ وغیرہ کے عمل سے گزُرنے کے بعد سرفراز کی پوسٹنگ جہلم کی ہو چکی تھی اَور وہ ہر آٹھ دس دن کے وقفے پر کسی نہ کسی طور ایک دِن کے لئے شہر پہنچ کر کبھی کسی ریستوران میں، کسی پارک میں، یا جمال کے میس کے کمرے میں نسرین سے ملتا تھا۔ اِس دوران سرفراز کو نسرین کے بارے میں صرف چند ایک معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ وہ ایک عمر رسیدہ ریٹائرڈ کرنل کی دُور کی رشتہ دار تھی جسے کرنل کا کنبہ گیارہ برس کی عمر میں اَپنے ہاں لے آیا تھا۔ کرنل کے بچے اب جوان ہو کر بیٹا امریکہ میں بس گیا تھا اَور بیٹی اَپنے خاوند کے سَاتھ کراچی میں رہتی تھی۔ کرنل کی بیوی فوت ہو چکی تھی اَور وہ چھاؤنی کے علاقے میں اَپنی کوٹھی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نسرین اَور ایک ملازم کے ساتھ رہتا تھا۔ کرنل کی دیکھ بھال اَور گھر کا تمام تر بندوبست نسرین کے ہاتھ میں تھا اَور نسرین کے اخراجات کرنل کے ذمے تھے۔ نسرین نے پرائیویٹ بی۔اے کیا تھا اَور اب یونیورسٹی میں فائن آرٹس کا ایم۔اے کر رہی تھی۔ سرفراز کو ٹیلیفون کی آزادی تھی۔ گھنٹی کا جواب شام کے وقت ہمیشہ نسرین دیتی تھی۔ کرنل کی کوٹھی بریگیڈیئر کرار کی کوٹھی کی عقبی سڑک پر تھی، اور بریگیڈیئر صاحب کی کرنل کے ساتھ تھوڑی بہت واقفیت بھی تھی۔ سرفراز اُس جانب سے گزرنے سے بھی احتراز کرتا تھا۔ آخر ایک روز نسرین نے اُس کا یہ خوف بھی دُور کر دیا۔

"میں مس نسیمہ کرار حسین کو جانتی ہوں،" وہ کمال متانت سے بولی۔

"ہیںہ؟" سرفراز اَیسے چونکا جیسے کسی نے اُس کے سَر پہ ہتھوڑا مار دیا ہو۔ اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا اَور وہ نظر جھکا کر خاموشی سے ریستوران کی میز پر گرے ہوئے روٹی کے ذرے چننے لگا۔ نسرین اِس موضوع پر مزید ایک لفظ نہ بولی۔ چند لمحے کے توقف کے بعد اُس نے اطمینان سے اَپنے امتحانات کی بات چھیڑ دی۔ نسرین نے نسیمہ کا ذکر اَیسے انداز میں کیا تھا جیسے یہ کوئی عام فہم بات ہو۔ سرفراز نے سَر اُٹھا کر متلاشی نظروں سے اُسے دیکھا۔ نسرین کے چہرے پہ کسی جذبے کی رمق نہ تھی۔ اِس بات کا احساس سرفراز کو اِس رشتے کے شُروع میں ہو چُکا تھا۔ جب وہ پہلے پہل نسرین کی شخصیت کا سراغ لگانے میں محو تھا اَور اُس کی بُھول بھلیوں میں داخل ہونے کی سعی کر رہا تھا تو ایک طرف اُس نے جسمانی لمس کی تمام تر منزلوں کو حیرت انگیز طور پہ سہل پایا تھا، دُوسری جانب وہ اُس کے چہرے پہ کوئی معمول کا جذبہ دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ وہ خوش ہوتی تو ہَولے سے مسکراتی، ناخوش ہوتی تو اَپنی آزردگی کو کبھی ظاہر نہ ہونے دیتی تھی۔ عام طور پر جس مہم کو سَر کرنے کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی وہ سرفراز کے لئے کسی دقت کی حامل نہ ہُوئی تھی۔ اِختلاط کے سب مرحلے اُس کے آگے اِس طرح ڈھیتے چلے گئے تھے جیسے پکی دیواریں نہ ہوں بلکہ کچے گھروندے ہوں، اَور وہ اَپنی "قسمت" پہ انتہائی خوشگوار تعجب کرتا ہُوا اِس راستے سے سرپٹ گزُر گیا تھا۔ تاہم بدنوں کی ملاوٹ کے ہر پڑاؤ پر سرفراز اِس احساس سے چھٹکارا نہ پا سکا تھا کہ ہو نہ ہو، کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی رخنہ تھا جو پُر نہیں ہو رہا تھا، کہ نسرین کے اَندر کسی نہ کسی مقام پر ایک دروغ کی عملداری تھی جس کے حصار میں سرفراز کا دخل نہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


ہو پا رہا تھا۔ آخر ایک روز ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے وقتی حد تک یہ گتھی سلجھا دی۔

نسرین اُس سے ملنے آئی تو اُس نے آنکھوں پہ دُھوپ کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ اُس کی زردی مائل سفید جلد پہ سیاہ شیشے دلکش دکھائی دے رہے تھے۔ گفتگو کے دوران جب اُس نے ایک لحظے کو چشمہ اُتارا تو سرفراز نے دیکھا کہ اُس کی آنکھیں سُرخ تھیں اَور اُن کے گرد ہلکی سی سوجن نمایاں تھی۔

"تُم روتی رہی ہو؟" سرفراز نے پُوچھا۔

نسرین نے جواب دیئے بغیر فوراً آنکھیں شیشوں سے ڈھک لیں۔ بعد میں، قربت کے لمحوں کے دوران، جب وہ دونوں جمال کے کمرے میں لمبے صوفے پہ دراز تھے، سرفراز نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اُس کا چشمہ اُتار لیا۔

"کیوں روتی رہی ہو؟" سرفراز نے پُوچھا۔

"میرے گلاسز دو۔"

"پہلے بتاؤ پھر دوں گا۔"

"کیا بتاؤں؟"

"تُم روتی کیوں رہی ہو؟"

"ایک جلُوس میں پھنس گئی تھی۔ پولیس نے آنسو گیس پھینکی تھی۔"

"جھوٹ۔ آج شہر میں کوئی جلُوس نہیں نِکلا۔"

"تُمہیں کیسے پتا ہے؟"

"مُجھے پتا ہے۔ سچ مچ بتاؤ کیوں روتی رہی ہو؟"

"میرے گلاسز دو۔" نسرین نے ہاتھ بڑھا کر چشمہ اُچکنا چاہا۔

سرفراز نے بازو لمبا کر کے چشمہ اُس کی زد سے باہر کر لیا۔ "پہلے بتاؤ۔"

"کیوں بتاؤں؟ کوئی دھونس ہے؟ میری ذاتی زندگی سے تُمہیں کوئی مطلب نہیں۔"

"مطلب ہے تبھی تو پُوچھ رہا ہوں۔"

"کوئی مطلب نہیں۔ تم اَپنی ذاتی زندگی کی خیر مناؤ۔"

"منا تو رہا ہوں۔ میری ذاتی زندگی تُمہارے ہاتھ میں ہے۔"